

تجربہ سے معلوم ہوا کہ نشہ ہر شراب کا یکساں ہوتا ہے بلکہ دیسی میں کچلا ہوتا ہے۔ اس لئے نشہ ولایتی سے زیادہ ہوتا ہے۔ مگر ولایتی کا نشہ صاف ہوتا ہے۔ اور دیر پا۔ اور دیسی میں یہ بات نہیں ہد مزہ حد سے زیادہ ہوتی ہے بوجہ اتنی ہے۔ بہر صورت نواب نے اپنی حالت کو دیکھتے دیسی شراب کو پسند کیا۔ ایک بجے کا وعدہ کھاتین بجتے بجتے پانچ روپے منشی جی نے مدار بخش کے ہاتھوں بھیج دیئے۔ فوراً ایک روپیہ کی دو بوتلیں آئیں اس وقت تک اور اجاب بھی جمع ہو گئے تھے۔ اُس وقت سے شام تک اور شام سے نو بجے رات تک خوب جلسہ ہوا اسکے بعد جلسہ برخواست ہوا۔ خلیفہ جی حسب معمول گھر گئے۔ یعنی پس پردہ قاف پہونچے۔ نواب صاحب طلسمی کمرے میں داخل ہوئے چلتے وقت چپکے سے ایک بوتل مدار بخش سے اور منگائی اُسے اپنے ساتھ لیتے گئے۔

نواب صاحب منتظر وقت رہے۔ الارم نہیں دیا تا کہ پس پردہ قاف کے لوگ غافل ہو کے سو جائیں یہاں تک کہ گھنٹاں جوگ کے خراٹوں کی آواز بلند ہوئی۔ اس کے بعد نواب نے الارم دیا۔ بزز قبا دروازہ طلسمی میں آ کے کھڑی ہوئی۔ نواب نے فوراً اٹھ کے دروازہ طلسمی کو کھول دیا۔ اور بزز قبا کا ہاتھ پکڑ کے کمرے کے اندر کھینچ لیا۔ اور خود پردہ اٹھا کے دوسری طرف کے دروازے کو بند کر کے مقفل کر دیا۔

بزز قبا۔ ہائیں آج یہ کیا خلافت محمول؟

نواب۔ برسوں سے اشتیاق ہے۔ آج تو ذرا اُمترتیں دل کی نکال لیں۔

بزز قبا۔ دیکھئے اچھا نہ ہوگا۔

نواب۔ اچھا نہ ہوگا تو بُرا بھی نہ ہوگا۔

بزز قبا۔ دیکھ پھٹائے گا میرا جو بُرا دل ہوگا

وصل پر یوں کا نہ تجھ کو کبھی حاصل ہوگا

نواب۔ بس دل لگی جانے دو صاف صاف بتاؤ کہ تم ہو کون اور یہ واقعہ کیا تھا جس نے میرے لاکھ

ڈیڑ لاکھ روپے پر پانی پھروا دیا۔ شاہ جی تمہارے کون ہیں۔ اس لئے کہ اس وقت جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے مجھے کچھ اور ہی شبہ ہے۔

بزز قبا۔ شاہ صاحب میرے والد ہیں۔ اور کون ہیں۔



نواب۔ ہاں میرا بھی یہی خیال تھا۔ گھنساں جوگی سے کب کی ملاقات ہے۔

ہزرقبا۔ (ہنس کے) برسوں سے مجھ سے اُن سے رابطہ ہے۔

نواب۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ تم کچھ دنوں سمجھا میں بھی ناچ چکی ہو۔

ہزرقبا۔ بہت دنوں تو نہیں۔ حافظ کی صبا میں کوئی کچھ رات مہینہ تعلیم لی تھی۔

نواب۔ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم ہزرقبا بنی تھیں۔ یہ کوئی رات آٹھ برس کا ذکر ہے۔

ہزرقبا۔ جی ہاں میں نے بھی آپ کو دیکھا تھا۔

نواب۔ اب یہ کہو کہ ہم سے ملاقات رکھو گے۔

ہزرقبا۔ کیا مضائقہ ہے۔ مگر اس وقت مجھے جانے دیجئے۔ یہ کہہ کے ہزرقبا اٹھ کھڑی ہوئی نواب نے پھر ہاتھ پکڑ کے ہٹھانا چاہا۔

ہزرقبا۔ دیکھئے مجھے جانے دیجئے۔ ایسا ہودہ جاگ اٹھیں۔

نواب۔ پھر جاگ اٹھیں کر ہی کیا سکتے ہیں۔

ہزرقبا۔ تو نواب یہ بھی کوئی زبردستی ہے۔

نواب۔ جی ہاں زبردستی ہے۔

ہزرقبا۔ دیکھو میں چمکتی ہوں۔

نواب۔ اس سے کیا ہوگا۔ دروازے میں نے پہلے ہی قفل لگا دیا نیچے کے دروازے بھی بند

ہیں۔ پھاٹک میں قفل لگا ہے۔ اس وقت تو رستم ہند کی بھی مجال نہیں جو میرے پاس آجائے۔

ہزرقبا۔ اور یہ دوستی کا کوئی خیال نہیں۔

نواب۔ جب اور لوگوں کو دوستی کا خیال نہ ہو تو ہمیں کیوں ہو۔

ہزرقبا۔ اچھا تو کیا کچھ آج ہی پر موقوف ہے۔ میں تو روز آتی ہوں۔

نواب۔ جی۔ بس اب تم کہاں اور میں کہاں۔ راز کھل گئے ہیں چل رہی روز میں یہ سب کارخانہ

مٹا چاہتا ہے۔ نہ یہ طلسمی کمرہ ہو گا نہ یہ ساز و سامان۔ یہ سب دولت کے ڈھلوسے تھے۔ جب دولت نہیں



تو یہ سامان کُجا۔ بہر صورت آج رات کو تھیں یہیں رہنا ہوگا۔

ہزقبا۔ مجھے عذر ہی کیا؟ مگر یہ سب مجھے لُجے کر اگر وہ جاگ اُٹھے تو آپ کا تو کچھ نہیں بنا سکتے مجھے مار ڈالیں گے۔

نواب۔ میں اب تھیں یہاں سے جانے نہ دوں گا۔ خدا کے فضل سے تمہارے کھانے بھر کو اب بھی بہت ہے۔

ہزقبا۔ دیکھو نواب دغانہ دینا۔ یہ نہ ہو کہ میں اُدھر سے بھی جاؤں اور اُدھر سے بھی۔

نواب۔ نہیں ایسا نہ ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔

ہزقبا۔ مگر میں یہ سمجھتی ہوں کہ کھلم کھلا تم اُن سے کیوں بگاڑو۔ ابھی چوری چھپے بہت روز تک نبھ سکتی ہے۔

نواب۔ اچھا تمہاری مرضی۔ مگر یہ خوف ہے کہ امانہ ہو وہ تھیں یہاں سے اُٹھنے کے بجائے۔

ہزقبا۔ اس کا اطمینان رکھو۔ اول تو یہاں سے اُٹھائیں گے نہیں۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو کھلم کھلا نکل آؤں گی۔

نواب۔ سچ کہتی ہو؟

ہزقبا۔ تمہارے سر کی قسم؟

نواب۔ تمہارے سر کی قسم؟

ہزقبا۔ خدا رسول کی قسم۔ حضرت عباس کی قسم۔ اپنی جان کی قسم۔ اگر تم مجھے سہارا دو تو میں تمہارا

ساتھ نہ چھوڑوں۔ اُس موڑے سے مجھے خود نفرت ہے۔ ایک تو مردے کے منہ سے یو ایسی آتی ہے جس سے میرا دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔

نواب۔ پلیت تو ہے ہی۔ اچھا تم میرے پاس بیٹھ جاؤ میں تمہیں زندگی بھر روٹی پکڑا دوں گا۔

ہزقبا۔ مگر ایک بات ہے درگاہ میں چل کے قسم کھاؤ کہ زندگی بھر نہ چھوڑوں گا۔ اور نہ دوسری عورت

کروں گا۔



نواب۔ ہاں میں قسم کھاؤں گا۔ مگر تم کو بھی قسم کھاؤں گی۔  
 ہزقبا۔ ہاں آں۔ میں پہلے قسم کھاؤں گی دیکھو مجھے ہر طرح تمہارا ساتھ منظور ہے۔ اس موئے جلتے کا  
 اعتبار ہی کیا ہے۔ اماں سے مجھ سے بنتی نہیں۔ درد کی ٹھوکریں کھانا مجھے منظور نہیں۔  
 نواب۔ بہتر ہے۔ مگر ایک دور تو ہمارے ساتھ بیو۔  
 ہزقبا۔ اے ہے نواب تھوڑی سی دینا۔  
 نواب۔ داہ میں سُن چکا ہوں تم خوب بیتی ہو۔  
 ہزقبا۔ بیتی تو میں ضرور ہوں۔ بہت نہیں بیتی۔ مگر آج بہت سی پی چکی ہوں۔  
 نواب نے کس کے ایک دور ہزقبا کو دیا۔ ایک آپ پی لیا۔  
 ہم سے پوچھے کوئی معشوقِ شرابی کے مزے  
 نشہ کے چڑھتے ہی لینگے بے حجابی کے مزے

### زوجہ اولیٰ

ایک نامی عیاش کا قول ہے کہ عورتیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ اول عورتیں دوسرے پر یاں۔ تیسرے  
 چڑھیلیں۔

عورتیں وہ جن کے باب میں کسی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے۔

چیز قوتِ روح است وہم بشرحِ حلال

سردوخانہ ہمسایہ حُسن رہ گزرے

پر یاں وہ جو تاروں کی چھاؤں میں آتی ہیں۔ اور تاروں کی چھاؤں میں رخصت ہو جاتی ہیں۔

چڑھیلیں یعنی ماں باپ کی بیٹیاں جو سہرے جلوسے بیاہ کے آتی ہیں۔ یہ وہ ننگ بختیں ہیں۔ جو زندگی بھر

پہنچا نہیں چھوڑتیں۔ اور مرنے کے بعد بھی چالیس دن تک بھر بیٹھا کرتی ہیں۔

لہٰذا وہ مقام مراد ہے جہاں کوئی تار نہ پڑا ہوا ہو جس سے جڑا ہو جس سے جڑا ہوا ہے۔



ایک ایرانی شاعر ہادش بنی فرماتے ہیں کہ جہاں عورت کے دو تین بچے ہوئے محرمات میں داخل ہو جاتی ہے  
اُس کا ادب کرنا چاہئے۔ بیچارے حکیم صاحب قبل کی بیاحتیائی بن اُس صوف میں داخل تھیں جس کا ذکر اُبہ کیا گیا ہے  
جب سے حکیم صاحب نے عقد ثانی کیا تھا اپنے چھتھروں سے بیزار رہتی تھیں ہر وقت رُتہ پھولا ہوا۔ ناک چڑھا ہی ہوئی  
جو کام کرتی ہیں بھٹک بھٹک کے۔ چوڑیوں کی جھنکار ہار ہار سنائی دیتی تھی۔ بات بات پر آگ لگے۔ صحت بی بی  
کی بھلاؤ دیکھو۔ تپ پھوٹے رو دینا۔ ہر وقت بڑبڑانا۔ غرض کہ ناک میں دم تھا۔

کھانا جاڑے کے دن تھے۔ خدا کے فضل سے کھنڈ کی آب و ہوا اعتدال پر تھی۔ بڑے بڑے نامی گرامی  
حکیم ایسی فصل میں مہطل رہتے ہیں (خدا کرے ہمیشہ مہطل رہیں) حکیم صاحب کچھ ایسے نامور حکیموں میں بھی نہ تھے  
صرف محل کے لوگ عند الضرورت یا برسیل احتیاط نسخہ کھوا لیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کے پاس مرزا اس وجہ  
سے بھی کم آتے تھے کہ آپ نے چند روپے سے میاں نبی بخش کے بھتیجے حسن علی کو درگاہ کے قریب عطاری کی دوکان کرا  
دی تھی۔ ہر ایک مریض سے یہی فرمایش ہوتی تھی کہ وہیں نسخہ بندھوانا۔ ایک تو خود ہی بھاری داموں کا  
نسخہ لکھتے تھے اُس پر میاں حسین علی پیسے کے دو پیسے دیتے تھے اس لئے کہ حکیم صاحب سے نصف کا معاملہ تھا اس کی  
کسر کیوں کر نکلتی۔ ایک اور سبب حکیم صاحب کی کساد بازاری کا یہ بھی تھا کہ اس محل میں ایک برنج اسپتال کھل گیا  
تھا۔ اُس میں مفت دوا تقسیم ہوتی تھی۔ ان وجوہ سے حکیم صاحب بالکل بیکار رہتے۔ حکیم صاحب کو اس کی چندا  
پر وائے تھی اس لئے کہ آپ نے اپنے محل کے غریبوں کو روپیہ قرض دے دے کے اکثر مکان کھول کر دیئے تھے۔ جو رفتہ رفتہ  
حکیم صاحب کے قبضے میں آگئے تھے۔ سات آٹھ دوکانیں بازار میں بنوا دی تھیں۔ ان سب میں کرایہ دار رہتے  
غرض کہ معاش کی طرف سے اب بالکل اطمینان تھا۔ القصہ نو بجے حکیم صاحب گھر میں تشریف لے گئے۔

حکیم صاحب۔ (بی بی سے) کہو صاحب کھانا تیار ہے۔

بی بی۔ (غصے کی آواز سے) ابھی تو نہیں تیار ہے۔

حکیم صاحب۔ دس بجنا چاہتے ہیں۔ ابھی تک کھانا نہیں تیار ہوا۔

بیوی۔ پھر نہیں تیار ہوا کیا کریں۔ جب سودا آئے گا جب ہی تو پکے گا۔ ابھی تو نبی بخش نے ارویاں لاکے دی

ہیں۔ گوشت ٹکڑا کھانا نہیں لکڑیاں گیل سلگتی تھیں پھر کوئی چو لھے میں اپنا سر لگا دے۔



حکیم صاحب۔ میں نے کچھ بچے سودے کے پیسے مانگے تو دیئے تھے وہ اب رویاں لائے ہیں۔ راستہ میں کہیں بیٹھ کے حقہ پینے لگے ہوں گے۔

میاں نبی بخش بہت ہی با مذاق آدمی تھے۔ جب حکیم صاحب گھر میں جاتے تھے وہ اندر کے دروازے کے پاس کان لگائے کھڑے رہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ گھر میں جو باتیں ہوتی ہوں اُسے سنیں۔ وقتاً فوقتاً ہاں میں ہاں ملاتے رہیں۔ شاید کوئی ایسی بات کان میں پڑ جائے جو مفید مطلب ہو۔ یا اگر حکیم صاحب یا اُن کی بی بی کوئی امر آپ کی شان کے خلاف کوئی بات کہے تو فی الفور اُس کی تردید کر دی جائے۔ چنانچہ اس موقع پر ارویاں دہر میں لانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس کی تردید واجب ہو گئی تھی۔

نبی بخش۔ بس شہر میں اوٹ بد نام ہے۔ ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے۔ اکیلا آدمی۔ اور دودو جگہ کا سودا سلف۔

دو جگہ کا ذکر کرنا چنداں اس وقت ضروری نہ تھا۔ صرف حکیم صاحب کی بیوی کو اشتعال طبع دینا منظور تھا۔ بی بی۔ کیوں دو گھروں کا سودا سلف کیا۔ بیگم صاحب کے نوکر چاکر کیا ہو گئے۔ یہ ایک ایسی پتے کی بات تھی کہ حکیم صاحب بیچارے تو گویا جتنے جی زمین میں دفن ہو گئے۔ حکیم صاحب۔ (برہم ہو کے) چلو تھیں اس قصے سے کیا مطلب۔ تم اپنا کام کرو۔ بی بی۔ لو ہمیں کچھ مطلب ہی نہیں۔

حکیم صاحب۔ تم سے ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ ان جھگڑاؤں سے تھیں کیا۔ اب جو بات ہونا تھی وہ ہو گئی۔ بی بی۔ خوب ہوا۔ خدا مبارک کرے ہے کوئی سودو سو کا وثیقہ بیگم صاحب کا۔ حکیم صاحب۔ نہ یہی وثیقہ۔ کوئی روپیہ کی لالچ سے میں نے نکاح کیا ہے۔

بی بی۔ خدا جھوٹ کرے۔ اور کیوں نکاح کیا تھا۔ حسن دیکھ کے کیا ہو گا کم سن ہوں گی۔ اس موقع پر میاں نبی بخش نے وہ غضب کا ٹکڑا لگایا کہ بیوی کی باچھیں کھل گئیں۔ اور حکیم صاحب بیچارے گل در گل ہو گئے۔

نبی بخش۔ بیگم صاحب میاں بیچارے پھنس گئے بن میں تو حکیم صاحب ہمارے اُن کے آگے کے بچے معلوم



ہوتے ہیں۔ صورت شکل بھی کچھ ایسی اچھی نہیں ہے۔

بیوی۔ تو کیا تمہارے سامنے ہوتی ہیں۔

نبی بخش۔ اب تو سامنے نہیں ہوتیں جب نواب علی بہادر کے پاس لوکر ہوئی ہیں ان دنوں میں کمرن تھیں میں بھی نواب صاحب کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ وہیں میں نے انھیں دیکھا تھا۔ نواب کے ساتھ چندو کا بھی کچھ دنوں شوق کیا تھا۔

بیوی۔ اور یہ کہو تو لوکر کا ہے میں تھیں۔

نبی بخش۔ اب یہ میں آپ سے کیا بتاؤں رئیس آدمی تھے ان کے دل پہلانے کو نوکر تھیں۔

بیوی۔ تو یہ کہو تم بہت دنوں سے جانتے ہو۔

نبی بخش۔ اے حضور میں تو ان کی سات بیڑھی سے واقف ہوں۔ ان کی ماں کیا تھیں خدا بچائے ایسی عورتوں سے۔ اور یہ خال صاحبہ جو اب ہیں ان کو آپ کیا کم سمجھتی ہیں۔ ایک ہی چھٹی ہیں۔

بیوی۔ ان کی (یعنی حکیم صاحب کی) خلیا ساس کا حال مجھ سے پوچھو۔ نواب مسزالدولہ کی سرکار میں ہمارے ابا جان داروغہ تھے وہیں یہ لوکر ہوئی تھیں۔ وہاں نواب کی لڑکی کا کڑاچرا یا نکالی گئیں اب تو سنا ہے بڑی پاک صاف بنی ہیں۔

حکیم صاحب۔ وہ نہ ہوں گی۔ بیجاری زیارت کر آئی ہیں۔ پانچوں وقت کی سناڑ پڑھتی ہیں۔ وہ کوئی اور ہوں گی۔

بیوی۔ میں سچ کہتی ہوں۔ آپ کی خلیا ساس نے کواچرا یا تھا۔ نواب نے مشکیں باندھ دی تھیں وہ تو کہو ہمارے ابا جان نے بچالیا۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں آپ کے ابا جان ایسے ہی تھے۔

بیوی۔ ہمارے ابا جان کو تو خدا نے وہ لیاقت دی تھی کہ جدھر سے نکل جاتے تھے لوگ ان کو جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔

حکیم صاحب۔ کیوں نہیں۔ نواب کے ہاں کہو تر باروں میں لوکر تھے۔ اب تم نے داروغہ صاحب کر دیا۔



بیوی۔ خیر شاہین داماد نے کبوتر باز تو بنادیا۔

حکیم صاحب۔ سارا زمانہ جانتا ہے۔

بیوی۔ سارا زمانہ جانتا ہے۔ دونوں میں نوکر تھے۔ پھر آپ نے کیوں جھک مارا۔

حکیم صاحب۔ ہم نے کیوں جھک مارا۔

بیوی۔ اچھا جس نے تمہاری شادی کی اُس نے جھک مارا۔

حکیم صاحب۔ ماموں نے بھنا دیا۔ ہمارے ابا جان تو راضی بھی نہ تھے۔

بیوی۔ چلو اب تو ذات دنتی لائے ہو۔ ماں باپ کی بیٹی۔ دان دہیز والی۔ جائداد۔ نوٹ۔ تنخواہ۔ وثیقہ خاں

حکیم صاحب نہایت جربز تھے۔ کوئی بات بن نہ پڑتی تھی۔ بیوی کی گرفتیں اس قدر معقول تھیں کہ سوائے بغلیں

جھانکنے کے اور کچھ بن نہ پڑتا تھا۔

حکیم صاحب۔ چلو تمہارے طعنے دینے کو کہہ دو گئے۔

بیوی۔ کیوں کیا اب اس سے بھی گئے۔

حکیم صاحب۔ اچھا کھانا جلدی تیار کرو۔

بیوی۔ (بادرچی خانے سے اٹھ کے تخت پر آ بیٹھیں) ہم سے کھانا دانا نہیں پکتا۔ کیا کوئی ماما صیل مقرر

کیا ہے۔ اما میں نوکر رکھو یا اُس ملازادی خانگی سے بچو اؤ۔ جس کو بیوی بنا کے بٹھایا ہے۔

حکیم صاحب۔ یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ میں کہتا ہوں کچھ مٹرن تو نہیں ہوئی ہو۔ خواہ مخواہ لڑتی ہو۔

بیوی۔ ہم کیوں مٹرن ہونے لگے مٹری تم۔ مٹری تمہاری بیگم صاحب۔ بیگم صاحب بنی ہے موئی خانگی۔ وہیں

جانے کی دیر ہوئی ہے اس لئے کھانے کی جلدی ہو رہی ہے۔

حکیم صاحب آدمی مصلحت اندیش تھے دیکھا کہ بیوی بگڑ گئی ہیں۔ اب اگر زیادہ بحث بر طبعی تو کھانا دانا

نصیب نہ ہوگا۔ بہ اشتی و نرمی چاہا کہ بات ٹل جائے۔

حکیم صاحب مجھے کچھ ہی جانا ہے۔ حج صاحب دس بجے آجاتے ہیں۔ اگر پیشی پر حاضر نہ ہوں گا۔ مقدمہ خارج

ہو جائے گا۔ تمہیں لڑائی سوچھی ہے۔ پھر لڑ لینا۔ اب اس وقت معاف کرو۔



بیوی نے دیکھا کہ میاں دب گئے۔ اور شہر ہو گئیں۔ سچ سچ دل میں ٹھان لیا کہ آج کھانا دانا نہ پکاؤ۔ دیکھیں تو میاں کس حد تک دب سکتے ہیں۔

بیوی کچہری جانے لگی۔ یہ نہیں کہتے کہ چاہتی بیگم کے پاس جانا ہے۔

حکیم صاحب کو واقعی کچہری جانا تھا۔ بوجہ ہندو در چند چاہتی بیگم سے حکیم صاحب سے نفرت ہو گئی تھی۔ بلکہ چاہتے تھے کسی طرح گلو خلاصی کریں۔ مگر یہ ممکن نہ تھا اس لئے کہ چاہتی بیگم صاحب کب بچھا پھوڑتی تھیں حکیم صاحب تھے بڑے سیانے۔ مگر اس معاملے میں ایسا دھوکہ کھایا کہ جٹ سازی کا فلسفہ جس قدر یاد تھا سب بھول گئے تھے اس لئے کہ بچا اس روپیہ پاندان کا لکھ چکے تھے۔ وہ بذریعہ عدالت وصول ہو سکتا تھا۔ روٹی پٹے کی فوجداری سے ڈگری ہو سکتی تھی۔ مہر کی ناش دیوانی میں دائر ہو سکتی تھی۔ غرض کہ کلثوم بیگم چٹھی نویس نے بلکہ درحقیقت مرشد اور خلیفہ نے اچھی طرح مشکیں کس لیں تھیں۔ چٹھی نویس کو بھی حکیم صاحب کا چنداں اشتیاق نہ تھا۔ صرف فریب دہی کی راہ سے شادی ہوئی تھی۔ اماں مہری ان کی ماں امی نے اپنا اپنا اجورہ پہلے ہی وصول کر لیا تھا اگرچہ حکیم صاحب بیچارے کے ساتھ پورا جمل کیا گیا مگر کوئی موقع نہ ملا کہ نہ تھا۔ اقرار نامہ اس بیچ سے لکھوایا گیا تھا کہ اس سے کسی قسم کا جرم کسی متوسط یا صاحب معاملہ پر وارد ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کلثوم بیگم کے ساتھ عقد ہوا تھا کلثوم چٹھی نویس کا نام تھا چھوٹے نواب کا ماں کا نام کوئی جانتا بھی نہ تھا کیونکہ وہ خود اور ان کے بزرگ مرزا آباد کے رہنے والے تھے۔ واقعی وہ صاحب ہائے ادا تھیں کئی لاکھ کے نوٹ تھے اس کا سود مرشد آباد سے آیا کرتا تھا لکھنؤ کے وثیقہ آفس سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ ان کے نام سے کیا جعل بنایا پھیاں لگتی ہیں۔

عقد ہونے کے دس ہی پانچ برس کے بعد یہ جعل سازی کھل گئی مگر حکیم صاحب کو ہی کیا سکتے تھے اب ہمیں پرہم ایک راز کھولے دیتے ہیں۔

وہ مکان جو حکیم صاحب کے نام رہن ہوا تھا اس کو رہن نامہ بھی جعلی تھا۔ بات یہ تھی کہ ایک عورت کو وہاں میں بٹھ کے رجسٹری آفس لے گئے اس کے نام سے مکان کی رجسٹری اور سرخا ہو گیا۔ اصل مالک کو اطلاع بھی نہ تھی۔ صرف کرائے کا مکان لے لیا گیا تھا۔ حکیم صاحب اس مقدمے کو فوجداری میں چلا سکتے تھے مگر اس سے ہونا



ہی کیا تھا۔ اگر جیل کا ثبوت کامل پہنچتا تو میاں امجد برس دوس کے لئے قید ہو جاتے۔ یہ ایسے لوگوں میں تھے جو جیل خانہ کو سسٹرمال کہا کرتے ہیں۔ دو مرتبہ اس سے پہلے قید ہو چکے تھے۔ حکیم صاحب مجھے کہ امجد کے قید کرنے سے نفع کیا ہوگا۔ صرف حسرت انتقام ایسی چیز نہیں جس کے پورے ہونے سے بندہ ذرا کا تشفی ہو سکتی ہو۔ اس وقت حکیم صاحب کا معدہ غذا سے بالکل حال تھا۔ کچہری جانے کی دیر ہو رہی تھی۔ بیوی بچل ہوئی بیٹھی تھیں۔

بیوی۔ اگر میں آج سے کھانا پکاؤں تو میری موٹی جلتی پر طلاق ہے۔ میرے جینے پر طلاق ہے۔ آج بیوی نے بُرے وقت غمزہ کیا۔ ایک وجہ اس کی اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ بیوی کے میکے میں ایک لڑکے کی دودھ بڑھائی ہوئی تھی۔ وہاں سے لہجہ کا حصہ آیا تھا۔ اس میں پوریں اور تھوڑا سا قیمہ گوشت پانچ گلیے تھوڑا سا رجم تھا وہ یہ سات بجے کھا کے بیٹھے ہی تھیں۔ گلیے بچوں کو کھلا دیئے تھے۔ غرض کہ حکیم صاحب کے لئے بالکل صفائی تھی۔

حکیم صاحب۔ تو کھانا پھر تم آج سے نہ پکانا۔ بیوی۔ ہم تو قسم کھا چکے۔ کبھی نہ پکائیں گے۔ حکیم صاحب نے دیکھا کہ اب جلال شوہری کے دکھانے کا موقع ہے۔ بے اس کے بات ہی نہ بنے گی غصہ میں بھرے ہوئے اٹھے اور گوشت کی تیلی جو چوڑھے پر چڑھی ہوئی تھی۔ اُسے اٹھا کے انگنائی میں اچھا لیا اتفاق ناگہانی کہیں ایک بوٹی اچھل کے بیوی کے پاؤں پر پڑ گئی۔ اب کیا تھا گویا بم کا گولہ ٹوٹا بیوی نے صبح جھج کے رونا شروع کیا۔ تخت پر دھڑا دھڑا دو ہڑ پڑ رہے ہیں۔ ہارے مار ڈالا ہارے جلا دیا۔ ہے ہے مجھے بیوا رشتا بچھا ہے۔ ہے ہے ابا جان۔ ہے ہے اماں جان۔ اب اس طرح سے رونا شروع کیا۔ جیسے اسی وقت ابا جان نے انتقال کیا ہے۔ اس کے بعد شادی کرنے والے (یعنی حکیم صاحب کے والدین)۔ الہی شادی کرنے والوں کی گوریں کپڑے پڑیں۔ ہارے مجھے کس آفت میں پھنسا یا۔

حکیم صاحب۔ (بزرگوں کی اہانت پر غصہ ہی آگیا) کس نے شادی کی تمھاری باپ نے شادی کی۔ بیوی۔ (روتی جاتی ہیں۔ اور جواب دیتی جاتی ہیں) ہمارے ابا کو آدمی تھے۔ اُن کو موئے جلیوں نے



فریب دیا۔ ہائے ہمارے ابا جان کیا جانتے تھے۔ اس موئے جھلے سے ہالا بڑے گا۔ ہائے موئے جھلے خدا کی مار  
موٹوں کو ہیندہ کھائے۔

حکیم صاحب۔ بس اب چپ رہو۔ بہت ہو چکی۔

بیوی۔ (اور چیخ کے) چپ رہوں۔ کوس کوس کے کھا جاؤں گی۔ جیسے رُدے تو نے میرا پیر جلا یا ہے۔

حکیم صاحب۔ تو کیا میں نے جان کے پاؤں جلا دیا۔

بیوی۔ جس قسم کھاتی ہوں جان بوجھ کے تیلی میرے سر پر کھینچ ماری۔ وہ تو میں ہٹ نہ جاتی تو مخر پھٹ  
گیا ہوتا۔ تو تو میرے لہو کا پیا سا ہے۔

حکیم صاحب۔ (اب دیکھا کہ کسی طرح جو خد رکنا ہی نہیں پھر ذرا نرم ہو گئے) نیکبخت چپ رہ۔

بیوی۔ نیکبخت۔ نیکبخت تیری جا ہتی نیکبخت تیری اماں۔ نیکبخت تیری بھینا۔ لو اب ہم نیکبخت ہو گئے۔

حکیم صاحب۔ اچھا پھر کیا کہوں۔ نیکبخت کوئی بری بات کہی۔

نبی بخش۔ (ڈیوڑھی میں کھڑے خگ اوم دھوس کے منے لے رہے ہیں) خانم صاحب یہ تو کوئی بری  
بات نہیں کہی۔

بیوی۔ آج تک نیکبخت نہ کہا۔ بُری بات ہم نہیں بنتے نیکبخت جو نیکبخت ہو اُن ہی مبارک رہے

ہم تو بد ہیں۔

حکیم صاحب۔ تم ابخا زبان سے بد بنتی ہو میں تو نہیں کہتا۔

بیوی۔ ہاں۔ ہاں۔ ہم تو بد ہیں۔

اب حکیم صاحب بہت ہی عاجز ہوئے۔ ادھر اس جھگڑے میں دس بج گئے۔ حکیم صاحب بیچا دے

چپکے اُٹھے باہر چلے گئے۔

نبی بخش۔ حضور نہااری روٹی لادوں۔ کھا لیجئے بلا سے کچہری تو چلے جائیے۔

حکیم صاحب۔ (مجھے کہ اس وقت یہی قرین مصلحت ہے) اچھا لادو۔

نبی بخش۔ پیسے دیجئے۔



حکیم صاحب نے پانچ پیسے نکال کے دیئے۔ دو پیسے کی نہاری۔ تین پیسے کی روٹیاں۔

نبی بخش۔ اچھا تو لاؤں گا ہے میں۔ اندر سے دسترخوان اور پیالہ لاد بیٹھے۔

حکیم صاحب اندر گئے باورچی خانہ سے دسترخوان اٹھایا۔ الماری پر سے چینی کا پیالہ اٹھایا۔ بیوی آنسو و آنسو پوچھ کے بیٹھی ہیں کن آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔ کہ یہ کرتے کیا ہیں۔ جو نبی حکیم صاحب پیالہ اور دسترخوان باہر لے کے چلے بیوی نے پیالہ ہاتھ سے چھین لیا۔

بیوی۔ ہاں ہم بھوکے بیٹھے رہیں۔ تم باہر نہاری روٹی منگا کے نگلوں تو پیالہ نہ دیں گے۔

حکیم صاحب نے چاہا ہاتھ سے پیالہ چھڑا کے باہر لے جائیں۔ اس بھینا جھپٹی میں ہاتھ سے پیالہ گوترا چھین سے ٹوٹ گیا۔

ایک تو گوشت کی پیلی اچھالی گئی وہ نقصان ہوا۔ دوسرے چینی کا پیالہ بزرگوں کے وقت کا ٹوٹا تیسرے بھوک کی جھانجھ بیوی کی کچھ عیشوں کا غصہ نبی بخش کے کپڑوں کا کھیا نابن۔ مقدمہ کے خارج ہو جانے کا اندیشہ اس مواد نے جس ہو کہ حکیم صاحب کی قوت غضبی کو ہیبا دینا ڈال دیا۔ ڈھیلے ہاتھ سے ایک طمانچہ انھوں نے بیوی کے جھڑپاں پڑے ہوئے گالوں پر جمادیا۔

چلے اب کیا تھا گویا بیل گارد کی سڑنگ میں آگ بتا دی گئی۔ بیوی نے پاؤں پھیلا کے زمین پر بیٹھ گئی دو تھڑ چلنے لگے۔ ایک چیخ زمین۔ اور ایک آسمان۔

بیوی۔ الہی ہاتھ ٹوٹیں۔ الہی ہاتھ سڑیں۔ الہی ہاتھوں میں کیڑے پڑیں۔ طمانچہ مارنے والا اس طمانچہ مارنے والا غارت ہو۔ اے مولا۔ تیری لاکھمی میں آواز نہیں۔ اٹھو ارہ کٹے۔

حکیم صاحب۔ اب سزا کو پہنچیں۔ اور لو۔ یہ کہہ کر حکیم صاحب بڑھے ایک طمانچہ اور مارا۔ بیوی نے دھڑ سے سر زمین پر دے مارا۔

بیوی۔ لے موئے میں خود سر پھوٹ۔ لیتی ہوں۔

واقعی بیوی کا سر پھٹ گیا۔ دھل دھل خون بہنے لگا۔ اس کے بعد بیوی نے جلانا شروع کیا۔

بیوی۔ (دین کرنے کے لیے) ہاں اب تو میرا سر پھوٹا۔ خون بہہ رہا ہے۔ ہائے بے وارثا مجھ کے مجھے



مار ڈالا۔ ہائے سر پھوٹا۔ ہائے مغز پھٹ گیا۔

شور و غل کی آواز سن کے محلے کے لوگ دروازے پر جمع ہو گئے۔ اسی اثنا میں خدا جانے کس نے حکیم صاحب کے سارے کو خیر کر دی۔ یہ ایک گڑ گڑبے مکان لکھنؤ کے کڑاک بانکوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ بہن کے پٹنے کی خبر سننے کے لطفہ ہاتھ میں اٹھایا اور اپنے ساتھ دس بارہ گروں کو جمع کر کے فوراً موقعہ واردات پر پہنچ گئے۔ ساتھ والوں کو ڈیوڑھی میں کھڑا کیا۔ خود گھر میں گھس آئے۔

اب تو حکیم صاحب گھبرائے۔

منظر۔ (حکیم صاحب کے برادر نسبتی کا نام تھا) حکیم صاحب کی طرف سے تہواروں سے گھوڑے کے یہ کیا حرکت حکیم صاحب۔ حرکت کیا تھی۔ اپنا سر پھوٹا لیا۔

منظر۔ درست لگے مجھ سے جھلک رہے ہیں کہ یہ نہیں کہتے کہ عورت کا سر پھوٹا ڈالا۔

حکیم صاحب۔ نہیں خود سر پھوٹا لیا۔

منظر۔ یہ عدالت میں بیان کیجئے گا۔ عورت ذات کی اتنی جرات ہی نہیں ہو سکتی کہ اپنا سر آپ ہی پھوٹے کیوں بھائی چھٹن (منظر کے پیر بھائی اور کچھ دور کا رشتہ بھی تھا) ڈیوڑھی میں لٹھ باندھے کھڑے تھے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ اندر دھستے آتے ہیں۔

چھٹن۔ (دروازے کے اندر منہ ڈال کے) کیا کچ مجھ سر پھوٹ گیا۔

منظر۔ جی ہاں سر کھل گیا۔ فون کا دریا بھرا ہوا ہے۔ اور جناب حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ آپ ہی سر پھوٹا لیا۔ چھٹن۔ (خس کے) اچھا تو پولیس کو خبر کر دوں۔

منظر۔ (پولیس کو ایک کال دے کے) کوئی ہم دیں ہیں۔ ابھی یہیں ان کی مرمت کئے دیتے ہیں یہ کہہ کے حکیم صاحب کا ہاتھ بکڑ کے ایک دوڑ گئی رسید کئے۔ حکیم صاحب بھی لپٹ بڑے۔ میاں منظر نے انٹلی دے کے ان کو زمین پر دے مارا اور ایک دو تین گھسے بتا دیئے کس کے۔ حکیم صاحب بیچارے پھل کی طرح پھٹ گئے۔ بیوی دوڑ کے کوٹھری میں جا چھپیں۔ چھٹن اور ان کے ساتھ کے پانچ چار آدمی اندر گھس آئے۔ حکیم صاحب کی اچھی مرمت کی۔ میاں نے بخشش بیچارے منمنسا سے آدمی کر ہی کیا سکتے تھے۔ مارے خیر خواہی کے دوڑ کے چوک پر خیر کر دی۔



وہاں سے ایک حوالدار اور دو برقدار چلے آئے۔ اظہارات ہونے لگے۔

حوالدار۔ یہ کیا واردات ہوئی۔

منظہر۔ (حکیم صاحب کی طرف اشارہ کر کے) انھوں نے ہماری بہن کا سر پھوڑ ڈالا۔

حوالدار۔ کہاں ہے تمھاری بہن۔

منظہر۔ یہیں ہے اور کہاں ہے؟

حوالدار۔ یگاؤ۔

منظہر۔ بلائیں کیونکر۔ پردہ نشین عورت ہے۔

حوالدار۔ تو پھر ہم اظہار کیا لکھیں۔

منظہر۔ اظہار لکھوا دیں گی۔

حوالدار۔ (حکیم صاحب کی طرف اشارہ کر کے) یہ تمھارے کون ہیں۔

منظہر۔ بہنوئی۔

حوالدار۔ (حکیم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) آپ فرمائیے کیا معاملہ ہے۔

حکیم صاحب۔ یہ تو جیسے آدمی ہیں ان کی وضع سے ظاہر ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے دوسرا عقد کیا ہے اس

وجہ سے ان کی بہن مجھ سے خواہ مخواہ لڑا کرتی ہیں۔ آج بھی اسی طرح لڑائی ہوئی۔ انھوں نے ایک مگر زمین پر

مارا۔ سر میں چوٹ ضرور آئی۔ اتنے میں کسی نے ان کو خبر کر دی۔ یہ وہاں سے دس بارہ گنگاروں کو لئے ہوئے

میرے مکان میں گھس آئے۔ کئی آدمیوں نے مل کے مجھے مارا۔

منظہر۔ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ جس وقت میں آیا ہوں یہ اپنی بیوی کو مار رہے تھے میں نے آکے چھڑا دیا۔

حکیم صاحب۔ خدا سے ڈرو۔ کون مار رہا تھا۔

منظہر۔ تم خدا سے ڈرتے ہو۔ خود عورت کا سر پھوڑا اور ہم سے کہتے ہو خدا سے ڈرو۔



حلدار۔ حکیم صاحب بیشک غصہ بری چیز ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مگر مقدمہ سنگین ہے  
تھانے پر ضرور چلنا پڑیگا۔ اور مساقہ کو بھی ڈول پر سوار ہو کے جانا پڑیگا۔

حکیم صاحب۔ مگر آپ مجھے کہ اس میں ایک ذرا ہمارا ہی تو جین ہے۔ یہ کہہ کے حوالدار کی طرف اُن نگاہوں  
سے دیکھا۔ جس کا یہ مطلب یہ تھا کہ دس بارہ روپیہ لے لیجئے اور مقدمے کو یہیں رفع دفع کر دیجئے میاں مظہر  
بھی پولیس کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ منہ پھیر کے علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ یہ بھی شریف کہلاتے  
تھے۔ باوجود اس قدر لنگارے بن کے کسی قدر بوئے شرافت باقی تھی۔ ہمیشہ کا انتقام حسب مرضی لے چکے  
تھے۔ اور ان کو اپنے زور بار و براتناغرہ تھا۔ کہ جب چاہیں گے حکیم صاحب کو دھنسا لیں گے دوسرے یہ  
بھی ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حکیم صاحب نے سر نہیں پھوٹا۔ یہ ہمیشہ صاحبہ کے فعل ہیں۔

حلدار۔ (حکیم صاحب کے اشارہ کو سمجھے اور چشم دابر سے جواب بھی دیدیا کہ اتنے پر معاملہ نہ ہوگا) نہیں  
تو حکیم صاحب اس میں میرا کچھ اختیار نہیں ہے۔ تھانیدار صاحب کے پاس چلے چلئے جیسا وہ کہیں ویسا کیا جائیگا  
حکیم صاحب خوب جانتے تھے کہ اگر خدا نخواستہ تھانیدار صاحب تک جانے کی نوبت آئی تو بغیر ایک پچاسا  
دیئے ہوئے چٹھکارا نہ ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ یہیں کچھ اور بڑھادو۔ یہ اس فکر میں تھے کہ ایک برقدار <sup>مخل</sup> کرم  
نلے آگے بڑھا اور حلدار کا ہاتھ پکڑ کے علیحدہ لے گیا۔ دو ہاتھیں چپکے چپکے کیں۔ اور چلا کے حلدار صاحب جانے  
دو۔ بیوی میاں کا معاملہ ہے۔ حکیم صاحب شریف آدمی ہیں۔ ادھر مستغنیث کی طرف سے بھی بظاہر رضامندی  
کا اظہار ہے جانے دو۔

حلدار۔ (خس کے) مگر ایسا نہ ہو۔ تھانیدار صاحب کو خبر ہو۔

کرم خاں۔ نہیں کون خبر کریگا۔

چیت سنگھ۔ (دوسرا برقدار) جانے دو سسر کون بڑا معاملہ ہے۔ بی بی میاں میں لڑائی ہوئی۔ کھٹو  
کی عورتیں تم جلتے ہو ٹکرو کر مار لہن ہوئیں۔

مظہر۔ نہیں تو پولیس کی دست اندازی اس معاملہ میں ہم بھی نہیں پسند کرتے۔

حلدار۔ تم کیوں پولیس کی دست اندازی پسند کرو گے۔ تھانیدار صاحب کے سامنے جاتے ہوئے تو



تھاری نانی مرنے ہے۔

منظر ہڑے ہانکے ترچھے تھے۔ مگر ولد ار کے سامنے بٹنے سے بات نہ نکلی۔ اس لئے کہ آپ کی وضع ظاہری اس قسم کی تھی کہ پولیس جب چاہے بد معاشی میں چالان کر دے اور آپ سال دو سال کے لئے عالم باغ کی سر کر آئیں۔ خلاصہ یہ کہ رسیدہ بود بلائے دے بغیر گذشت۔

اس مقدمہ کے لئے ہونے کے بعد حکیم صاحب نے پھر کچہری جانے کا قصد کیا۔ مگر ایک رفیق نے اس کے خبر دی کہ مقدمہ عدم بیروسی میں خارج ہو گیا۔ چلے کچہری جانے کی تکلیف بچ گئی۔

### زوجہ ثانیہ

یہاں تو حکیم صاحب پر واردات گذری وہاں سنئے کہ نہیں معلوم کس نے (کس نے کہا میاں نبی بخش نے) تمام واقعات من و عن بیان کر دیئے۔ سر شام حکیم صاحب کے تو بیگم صاحب نے اس طرح مزاج پر سیا کی۔ کلثوم بیگم۔ سکتی ہوں آج تو آپ کے مکان پر بڑا مہر ہوا۔ حکیم صاحب۔ (جھپ کے) جی ہاں۔ گھر میں لڑائی ہوئی انھوں نے غصے میں اپنا سر پھوڑ لیا سارے صاحب دوڑے آئے مجھ سے ہشت مشمت ہوئی۔

کلثوم بیگم۔ وہ تو مولا ایک ہی گولا ہے میں نے سنا ہے اس نے تمہیں اٹھا کے بٹخ دیا۔ اور خوب مارا۔ حکیم صاحب۔ میں نے بھی مارا۔

نبی بخش یہاں بھی ساتھ تھے ممکن کیا تھا کہ حکیم صاحب کوئی امر خلاف واقع بیان کر سکتے۔ کیونکہ میاں نبی بخش کی لگو کسی جگر رکتی ہی نہ تھی۔ وہاں تو ڈیوڑھی میں سے کھڑے کرے لگا رہے تھے یہاں بالواجہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اس لئے کہ کلثوم بیگم ایسے لوگوں (مثلاً میاں نبی بخش) سے پردہ کو خلاف شان سمجھتی تھیں۔

نبی بخش۔ ایک گھونہ میاں نے بھی کرارا مارا تھا۔ وہ تو اس نے دونوں ہاتھ ایسے کانٹھ لئے کہ میاں ہمارے پھر پھر آنے لگے۔



حکیم صاحب۔ ایک گھونرہ تین گھونرے میرے ایسے بڑے ہیں کہ میاں مظہر یاد کرتے ہوں گے۔

نبی بخش۔ نہیں حضور میں تو کھڑا دیکھ رہا تھا جب اُس نے دونوں ہاتھ آپ کے جانگھ کے نیچے دبائے ہیں اس وقت میرے جی میں آیا کہ اندر گھس آؤں۔ مگر چھٹن نے ہاتھ پکڑ کے مجھے دروازے سے باہر کر دیا اُس وقت مجھے کچھ نہ بن پڑی۔ چوکی پر دوڑا گیا۔

حکیم صاحب۔ یہ تم نے عین حماقت کی۔ بھلا اٹھانے پر جانا کیا ضرور تھا۔ سارے محلے میں ذلت ہوئی اور پندرہ روپیہ مفت دینا پڑے۔

نبی بخش۔ جی ہاں۔ اب تو کہئے ہی گا۔ حماقت کی! جب ولد آئے ہیں جب ہی تو مظہر نے آپ کو چھوٹا ہے نہیں تو دبائے ہوئے بیٹھا تھا اور اوپر سے گھونرے مار رہا تھا۔

کلثوم بیگم۔ اور بیوی صاحب کہاں تھیں۔

نبی بخش۔ وہیں تھیں اور کہاں تھیں جب چوکی پر سے آدمی آئے ہیں اس وقت کوٹھری میں چھپیں

کلثوم بیگم۔ یہ سائنڈ بیٹھی دیکھا کیس اور میاں پکڑے۔ خدا ہی ایسی عورتوں سے بچائے نام تو بیاہتا

کا ہے۔ اسیوں ہی سے مردوے راضی بنتے ہیں۔

نبی بخش۔ (حق کا ایک کش لے کے) داد حق ہے۔

کلثوم بیگم۔ میں تو ایسے بھائی کو خاک میں ملا دیتی جو میاں کو مارے۔ اُٹ جائے وہ بھائی زمین کا پیوند ہو

ایسا بھائی۔ دیکھو تو ادھر کا سارا کلو سو جا ہوا ہے۔

نبی بخش۔ کلو سو جا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں سارا بدن چور چور ہے۔ میں نے تو اس وقت کہا تھا دور

میں پھٹکری ڈال کے پی لیجئے۔

کلثوم بیگم۔ تو کیا نہیں پیا؟

نبی بخش۔ کہاں پیا۔

حکیم صاحب۔ نہیں کچھ ایسی چو نہیں آئی تھی۔

نبی بخش۔ یہ تو میاں کے کہنے کی بات ہے۔ چو کیوں نہیں آئی۔ بروانی ہوا چلے گی تو معلوم ہوگا۔



یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں خلیا ساس (یعنے کرنی مغلاں) تسبیح پڑھتی ہوں چل آئیں حکیم صاحب نے جھک کے بندگی کی۔

خلیا ساس۔ جیتے رہو۔ سلامت رہو۔ ہاں میں نے سنا ہے بڑی لڑائی ہوئی۔

اب سارا قصہ اُن کے آگے دوہرایا گیا۔ اس طرح کہ کلثوم بیگم اپنی ششما درختہ تقریب سے ہر واقعے کو بیان کر رہی تھیں اور میاں نبی بخش نہک مرچیں لکھاتے جاتے تھے۔ اور خلیا ساس حسب موقعہ اُوہی مواذا کرتے رہے کہتی جاتی تھیں۔ آخر میں اُنھوں نے یہ نتیجہ نکالا۔

خلیا ساس۔ میں کینزو حکیم صاحب کی بی بی کے چھٹنے کا نام تھا۔ اور جو بزرگ پیار سے اور غیر عورتیں تحقیر سے لیتی ہیں) کو بچپن سے جانتی ہوں۔ بڑی فیما رہی ہے۔

نبی بخش۔ آپ سچ کہتی ہیں، والدہ بس تو خدا لگتی کہوں گا آج میاں کا کچھ بھی قصور نہ تھا صرف کھانے کے لئے کہا تھا۔ اُس پر اُنھوں نے یہ مانامت ڈال۔ اچھا وہ تو جو کچھ ہوا۔ وہ ہوا آپ دودھ پھٹکری منگاتی تھیں لایئے لادوں۔ ادھر سے تمباکو بھی اپنے لئے لیتا آؤ گا۔

کلثوم بیگم نے زینت (کلثوم بیگم کی ماما کا نام تھا) آواز دے کے صندوق منگایا۔ حکیم صاحب۔ نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کلثوم بیگم۔ تم بکا کرو۔ میں ضرور بلاؤں گی۔ دیکھتی ہو۔ خالہ جان کہیں رو پڑی میں رہ جائے گا تو قیامت ہو جائے گی۔

خلیا ساس۔ نہیں میں کر بلا سے موم یا لائی تھی۔ وہ کہیں رکھی ہوئی ہے۔ دیکھوں صندوق میں یقین ہے پڑی ہو۔

نبی بخش۔ بس تو فقط دودھ بازار سے منگوا لیجئے مومیاں کی کیا بات ہے۔ سنا ہے ساری چوٹ اندر سے کھینچ لیتی ہے۔

اتنے میں زینت صندوق لے ہی آئی۔ کلثوم بیگم نے چار پیسے نکال کے نبی بخش کو دیئے۔ دودھ لینے کو بازار گئے۔ خلیا ساس مومیاں ڈھونڈنے کے لئے اندر کے دالان میں گئیں۔ کلثوم بیگم اور حکیم صاحب میں



پھر اسی معاملے پر از سر نو بحث چھڑ گئی۔ اب اس بحث کا یہ رخ بدلا کہ اس لڑائی کو زور و جہ ثانیہ کی ذات سے کھینچ لیا گیا ہے۔

کلثوم بیگم۔ اچھا یہ تو سب کچھ ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس لڑائی کی اصل بنا کیا ہے۔

حکیم صاحب۔ یہ تم آپ ہی سمجھ سکتی ہو۔

کلثوم بیگم۔ یہ تو میں پہلے ہی سمجھے ہوئے تھی کہ میرے بارے میں لڑائی ہوئی۔ پھر میں اب نہیں چھوٹ

سکتی۔ تو یہ لڑائیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں سب اچھے رہے میری جان غضب میں پڑ گئی۔

کلثوم بیگم۔ سب میں تو میں بھی آگئی۔ میرے سبب سے کیوں تمھاری جان غضب میں پڑی۔ اور اگر

یہ سچ ہے تو پھر تم نے کیوں ایسا کام کیا۔

حکیم صاحب۔ (ایک آہ سرد بھر کے) ہاں اب تو حماقت ہو گئی۔ پھر اس کا علاج۔

کلثوم بیگم۔ تم حکیم ہو۔ علاج تم ہی بتاؤ۔ اچھا مجھے چھوڑ دو تمھاری جان آفت سے چھوٹ جائے

حکیم صاحب۔ (ایک ذرا تامل کے بعد) چھوڑ دینے کا تو میں نے نام نہیں لیا۔ تم خود آج سمیت

پانچ چھ مرتبہ کہہ چکی ہو۔ آخر تمھارا کیا منشا ہے۔

کلثوم بیگم۔ دیکھو حکیم صاحب تمھاری بیوی ہیں جاہل۔ اور میں خدا کے فضل سے ناخواتین نہیں

ہوں۔ یہ موٹی اماں نے مجھے تمھیں دونوں کو پھنسا یا۔ موٹی نے مجھ سے تو یہ بیان کیا کہ نہنگ ہیں۔ اور تم

کو یہ فریب دیا کہ چھوٹے نواب کی ماں کے ساتھ نکاح کر وائے دیتی ہوں۔ میں بھی دھوکے میں آگئی۔

اور تم بھی۔ میں اگر جانتی تم جیونیٹوں بھرے کو اب (کباب) ہو تو کاہے کو یہ امر ہوتا۔

حکیم صاحب۔ ہاں میں سمجھتا ہوں کہ تم اس واقعے میں بے قصور ہو۔ تمھیں بھی دھوکہ دیا گیا۔

کلثوم بیگم۔ اچھا تو اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ خالہ کر بلا جانے کو کہہ رہی ہیں ان ہی کے ساتھ

میں بھی چل جاؤں گی۔ تین حصہ مہر میں تمھیں معاف کر دوں گی۔ ایک حصہ دیدو۔

حکیم صاحب۔ اگر میں اپنی تمام جائیداد بیچ ڈالوں۔ بلکہ میں بھی بک جاؤں تو بھی مجھ سے ایک چہارم



حصہ مہر نہ ادا ہو سکے گا۔ اور میں چھوڑنے کیوں لگا۔ وجہ کیا۔ کیا دودو عورتیں دنیا میں ہوتی نہیں ہیں۔  
کلثوم بیگم۔ اگر نہیں چھوڑتے۔ تو پھر اسی طرح سے میرے ساتھ بھی پیش آؤ جس طرح بیویوں کے ساتھ  
پیش آنا چاہئے۔

حکیم صاحب۔ اس میں تو مجھ سے ابھی تک کوئی تصور نہیں ہوا۔ روز تمہارے پاس آتا ہوں کھاتے پینے کو  
بھی جو کچھ ہو سکتا ہے حاضر کرتا ہوں اس کے سوا اور جو تھیں کہنا ہو کہو۔  
کلثوم بیگم۔ کہنا یہ ہے کہ ایک رات یہاں رہا کرو۔ ایک رات وہاں دوسری بات یہ ہے کہ میرے تمہارے جو اقرار  
ہے اُسے پورا کرو۔

حکیم صاحب۔ اچھا یہ بھی سہی۔ میں آج سے ایسا ہی کر دوں گا۔ مگر وہ اقرار کون سا ہے جسے پورا کروں۔  
کلثوم بیگم۔ بس اسی بات پر تو میرے آگ لگتی ہے۔ آخر وہ پاس روپیہ مہینہ کا اقرار تھا کہ نہ تھا۔  
خلیا ساس۔ ہاں یہ تو میں بھی سنتی ہوں کہ پاس روپیہ مہینہ کا اقرار تھا۔  
کلثوم بیگم۔ اقرار کیا۔ کچھ منہ زبانی تھا اس نام کے کاغذ پر رجسٹری ہو گئی ہے۔  
حکیم صاحب۔ دیکھئے خالہ جان بات یہ تھی کہ نکاح تو اور ہی دھوکے میں ہوا۔ ہم کچھ اور سمجھے تھے اور  
وہاں کچھ اور بات نکلی۔

خلیا ساس۔ ہاں یہ سچ ہے۔ مگر اب تو ایک شخص نے اپنی آبرودہی۔ وہ تو گڈی کہیں کی نہ رہی۔ اور یہ تو  
میں خوب جانتی ہوں کہ نباہ کسی طرح نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اس کی طبیعت اس طرح کی ٹھہری کہ بیاہتا ختم نے رنڈی  
کولی۔ اُس نے کھڑے کھڑے چھوڑ دیا۔ تم ٹھہرے بیوی کے پامرد۔

حکیم صاحب۔ اب تو نباہ کسی طرح کرنا چاہئے۔ کیونکہ اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ میں ہر طرح راضی ہوں آج  
تک رات کے رہنے کو نہیں کہا تھا۔ اب آج کہا ہے۔ خیر یونہی سہی۔

کلثوم بیگم۔ ہمارے نام پر خیر یونہی سہی۔ اور جو فیل کریں۔ بھائی اُسے چار گرگے لگا کے جوتیاں کھلوائیں  
اُن ہی کا ابھی تک دم بھرے جاتے ہو۔

حکیم صاحب۔ (یہ آخر کے چند فقرے کلثوم بیگم کے حکیم صاحب کے دل پر نشتر کا کام کر گئے۔ طیش کھا کے جواب دیا)